تفسیر احمد

سُورَةُ الْفَجْرِ

جزء - 30

سوره «الفجر» کا تفسیر و ترجمه

تصنيف: امين الدين « سعيدي - سعيد افغانى»

بسم الله الرحمن الرحيم

سورة الفجر

جزء 30

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے اس کی "30" آیتیں ہیں

وجہ تسمیہ:

الله تعالیٰ کے فرمان"وَالۡفَجۡرِوَلَيَالٍ عَشۡرٍ" سے شروع ہونے کی وجہ سے اس سورت کا نام "وَالۡفَجۡرِ" (صبح) رکھا گیا، اور یہ صبح کی سفیدی پر ایک بڑی قسم ہے کہ اندھیرے کے دل کو چیرتی ہے، سورة الفجر نےسورہ "واللیل" کے بعد شرف نزول پایا۔

سورة الفجر کا خلاصہ:

سورہ فجر کا بنیادی محور اہل ایمان کے لیے کشادگی کا بیان ہے، جو بغاوت اور سرکشی سے لڑنے کی راہ میں ہوتی ہے، اور اس بات کی وضاحت کرنا ہے کہ تاریکی اور سرکشی کا دور محدود ہے، ہر حال میں اسے فنا ہونا ہے، بالکل اسی طرح کہ جیسے رات گزر جاتی ہے اور اپنی جگہ روشن دن کے لیے چھوڑ دیتی ہے۔

سورة الفجر کی آیات، حروف اور تعداد:

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا اس سورت کا نام"وَالۡفَجۡرِ"صبح کے معنی میں ہے، سورت کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے، یہ سورہ مکی ہے اور اس کا ایک(1) رکوع، تیس(30) آیتیں، ایک سو سینتیس(137) الفاظ، پانچ سو پچاسی(585) حروف، اور دو سو چھپن(256) نقطے ہیں۔

(یہ بات قابل ذکر ہے کہ سورتوں کے حروف کی تعدادگننے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، اس بحث کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے سورہ طور تفسیر احمد کی طرف رجوع کریں)

یہ سورت مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور میں ایسے حالات میں نازل ہوئی تھی جب دشمن مسلمانوں کے خلاف طاقت کے استعمال سے کام لیتے تھے، مسلمان خطرے اور دباؤ میں تھے۔

سورة الفجر کا سورة الغاشیہ سے ربط و تعلق:

الف: سورة الفجر کے شروع میں قسمیں اور سورة الغاشیہ کے آخر میں آیات کے صحیح ہونے کی دلیلیں ہیں۔

ب: سورہ غاشیہ میں لوگوں کو دو گروہوں بدبخت اور نیک بخت میں تقسیم کیا، یہ سورت بھی نافرمان اقوام: جیسے عاد، ثمود، فرعون اور ان جیسے بدنصیبیوں کے زمرے میں جو لوگ آتےہیں، اور وہ لوگ جو یقین اور ایمان والے کہ شکر گزار اور وفادار ہیں کے بارے میں بات کرتی ہے۔

ج: الفجر کا "اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ" کا جملہ الغاشیہ کے"اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ" کے مشابہ ہے (فرقان)

سورہ فجر کی فضیلت:

امام نسائی رحمہ الله حضرت جابر ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا:معاذ ؓ لوگوں کے پیش امام تھے، اس دوران ایک آدمی آیا اور ان کی اقتدا کی، لیکن معاذ نے نماز لمبی کردی، تو اس آدمی نے اپنی نماز توڑ کر مسجد کے ایک کونے میں جا کر نماز پڑھی اور باہر چلا گیا، جب یہ خبر معاذ تک پہنچی تو کہا: فلاں آدمی جس نے اس طرح کیا وہ منافق ہے، چنانچہ اس واقعے کو نبی کریم صلی الله علیہ وسلم کے پاس لے گئے، رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا کہ معاذ کے پیچھے نماز کیوں چھوڑ دی؟ اس نے کہا: میں ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے آیا تھا، لیکن انہوںنے مجھ پر نماز لمبی کردی، اس لیے لاچار میں پلٹ گیا اور مسجد کے ایک گوشے میں نماز پڑھ کہ گیا تاکہ اپنے اونٹ کو گھاس ڈالوں، پھر آپ صلی الله علیہ وسلم نے معاذ ؓ سے کہا:" اے معاذ! کیاتم فتنہ برپا کرنے والے ہو؟ کیوں:(سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَىۙ۝۱ وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا۝۱ وَالۡفَجۡرِۙ۝۱ وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىۙ۝۱) جیسی سورتیں لوگوں پر نہیں پڑھتے ؟"

سورہ فجر کا سبب نزول:

سورہ فجر کی آیت "27" کے سبب نزول کے بارے میں ابن ابی حاتم بُریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ آیت:(يا أَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ) حضرت حمزہ ؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور جویبر کے توسط سے ضحاک سے وہ ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا:بئر رومہ کو کون خریدے گا؟ کہ اپنے اس عمل سے میٹھا اور خوشگوار پانی بھی پیے، اور خدا تعالیٰ کی عطا اور بخشش کا مستحق بھی بنے؟ حضرت عثمان ؓ نے اس کنویں

کو خریدا، پھر آپ صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ اس کنویں کو عوام کے پینے کی جگہ بنا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، اس وقت آیت(يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ) حضرت عثمان ؓ کے متعلق نازل ہوئی۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ(27) ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (28) اے نفس مطمئنہ! (اطمینان پانے والی روح) یعنی: اے امن والی روح! تو الله تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی وحدانیت پر یقین رکھنے میں اس یقین کو پہنچ گئی ہے کہ اس میں کوئی شک و شبہ کی آمیزش باقی نہیں ہے اور اس میں کوئی دھوکہ یا منافقت نہیں پائی جاسکتی،اے وہ روح جو الله کے فیصلے سے مطمئن ہے، تو راضی ہے اور جانتی ہے کہ ہر چیز اس کی تقدیر کے مطابق ہے، اور جو چیز انسان کو پہنچنی چاہیے وہ پہنچے گی اور اس سے دور نہیں، اور جو کچھ اس تک نہیں پہنچنی وہ اس سے بالکل دور ہے، اے خوش و خرم روح! "اپنے رب کی طرف راضی ہو کر لوٹ جا" اس انعام سے جو اس نے تمہیں دیا ہے، "اور وہ بھی تجھ سے راضی ہے" الله تعالیٰ بھی تجھ سے راضی ہے اور تو قیامت کے دن پرسکون اور پر امن میدان محشر میں آئےگی، کیونکہ تجھے موت کے وقت اور قیامت کے وقت جنت کی بشارت دی جائے گی۔

بعض مفسرین نے اس کے اسباب نزول میں دو روایتوں کاذکر کیا ہے: پہلی روایت یہ ہے کہ: یہ آیت حضرت حمزہ ؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب احد میں شہید ہوئے۔

دوسری روایت وہی ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے جب رومہ کنواں خرید کر لوگوں کے پینے کے لیے وقف کیا یہ آیت اُس بارے میں نازل ہوئی۔

سوره فجر کا موضوع اور محور

1 - خدا تعالیٰ کی خاص قسم صبح سویرے پر اور ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں پر، ہر چیز کے جفت و طاق اور رات کے آخری حصے پر کہ کفار الله تعالیٰ کے عذاب سے بھاگ نہیں سکتے (1 الیٰ 5)
2 - کچھ ظالم قوموں کی قسمت اور انجام کا مختصر بیان جو خدا کے پیغمبروں کا انکار کرتی ر ہیں (6الیٰ14)
3 - دنیا کی زندگی انسان کے لیے عام آزمائش کی جگہ ہے کہ آخر کہاں ختم ہوگی ؟ (15 الیٰ 20)
4 - قیامت کی بار بار تفصیل (21 الیٰ 23)

5 - قیامت میں لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوں گے: خوش نصیب اور بد نصیب (24 الٰی 26)

6 - اہل سعادت یعنی خوش نصیب کو جنت کی نعمتوں کو حاصل کرنے کے بارے میں آگاہ کرنا (27 الٰی 30)(بہ نقل تفسیرفرقان)

سورة الفجر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ۙ○۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ○۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ○۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ○۴ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ؕ○۵ اَلَمْ تَرَ
كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ○۶ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۙ○۷ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۙ○۸ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا
الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۙ○۹ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۙ○۱۰ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۙ○۱۱ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۙ○۱۲ فَصَبَّ
عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۚ○۱۳ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ؕ○۱۴ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ
وَنَعَّمَهٗ ○ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ؕ○۱۵ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ○ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۚ○۱۶ كَلَّا بَلْ
لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۙ○۱۷ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۙ○۱۸ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ○۱۹ وَّتُحِبُّوْنَ
الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ○۲۰ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۙ○۲۱ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ○۲۲ وَجِايْٓءَ
يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ○ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ○۲۳ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۚ○۲۴
فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۙ○۲۵ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ؕ○۲۶ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ○۲۷ ارْجِعِيْٓ اِلٰى
رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۚ○۲۸ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۙ○۲۹ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۧ○۳۰

سورت کا لفظی ترجمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	شروع کرتاھوں اللہ کے نام سے جوبڑا مہربان نہایت رحم والاھے
وَالْفَجْرِ ۙ○۱	قسم ہے فجر کی (1)
وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ○۲	اور دس راتوں کی (2)
وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ○۳	اور جفت اور طاق کی (ہر چیز کی قسم کھاتا ہے) (3)
وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ○۴	اور رات کی جب (وہ دن کی روشنی کی طرف) چلتی ہے (4)
هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ؕ○۵	کیا اس میں کسی صاحب عقل کے لیے کوئی قسم ہے؟ (5)

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۪ۙ٦ ○	(اے پیغمبر) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا (6)
اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ۪ۙ٧ ○	اِرَمْ کے لوگ ستونوں جیسے لمبے قد والے (7)
الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ۪ۙ٨ ○	وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا (8)
وَثَمُوۡدَ الَّذِیۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ۪ۙ٩ ○	(کیا تم نہیں جانتے ہو تمہارے رب نے)قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادی (قریٰ) میں پتھر تراشتے(اور گھر بناتے) تھے (9)
وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ ۪ۙ١٠ ○	اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (کس طرح کیا) (10)
الَّذِیۡنَ طَغَوۡا فِی الۡبِلَادِ ۪ۙ١١ ○	وہ لوگ جنہوں نے شہروں میں سرکشی اختیار کرلی تھی (11)
فَاَكۡثَرُوۡا فِیۡهَا الۡفَسَادَ ۪ۙ١٢ ○	اور ان میں بہت فساد مچایا تھا (12)
فَصَبَّ عَلَیۡهِمۡ رَبُّكَ سَوۡطَ عَذَابٍ ۚۖ١٣ ○	چنانچہ تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسادیا (13)
اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ ؕ١٤ ○	بے شک تیرا رب یقیناً گھات میں ہے (14)
فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ○ فَیَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَكۡرَمَنِ ؕ١٥ ○	پس لیکن انسان جب اس کا رب اسے آزمائے، پھر اسے عزت بخشے اور اسے نعمت دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی (15)
وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَیۡهِ رِزۡقَهٗ ○ فَیَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَهَانَنِ ۚ١٦ ○	اور لیکن جب وہ اسے آزمائے، اور اس پر اس کا رزق تنگ کردے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کردیا ہے (16)
كَلَّا بَلۡ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡیَتِیۡمَ ۙ١٧ ○	ہر گز ایسا نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے (17)
وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡكِیۡنِ ۙ١٨ ○	اور نہ تم آپس میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو (18)
وَتَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّمًّا ۙ١٩ ○	اور میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (19)

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ ۲۰ ○	اور مال سے محبت کرتے ہو، بہت زیادہ محبت کرنا (20)
كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۙ ۲۱ ○	ہر گز نہیں، جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی (21)
وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ ۲۲ ○	اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے جو صف در صف ہوں گے (22)
وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۰ ○ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ ۲۳ ○	اس دن جہنم کو لایا جائے گا، اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور (اس وقت) اس کے لیے نصیحت کہاں (23)
یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ۚ ۲۴ ○	کہے گا اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیجا ہوتا (24)
فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ۙ ۲۵ ○	پس اس دن اس کے عذاب جیسا عذاب کوئی نہیں کرے گا (25)
وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ؕ ۲۶ ○	اور نہ اس کے باندھنے جیسا کوئی باندھے گا (26)
یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۙ ۲۷ ○	اے نفس مطمئن! (27)
ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۚ ۲۸ ○	اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا، اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی (28)
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۙ ۲۹ ○	پس میرے (خاص) بندوں میں شامل ہوجا (29)
وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۳۰ ○	اور میری جنت میں داخل ہوجا (30)

مختصر تفسیر

محترم قارئین:

آیات مبارکہ(1 تا 16) میں کفر اختیار کرنے والوں کی جزا و سزا یقینی بتائی گئی ہے، اور ان میں سے بعض کو اسی دنیا میں جزا و سزا دی جائے گی اس کے بارے میں بھی بحث کی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع کرتاھوں اللہ کے نام سے جوبڑا مھربان نھایت رحم والاھے
وَالۡفَجۡرِۙ ○	قسم ہے فجر کی (1)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے صبح کی قسم کھائی ہے، کیونکہ یہ وقت اندھیرے کو چیرنے اور دن طلوع ہونے کاہے، یعنی: میں صبح سویرے کی قسم کھاتا ہوں، جب وہ اندھیروں کو دور کرتا ہے،اور کائنات کو اپنی روشنی سے منور کرتا ہے۔

صبح کی قسم!جب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دن طلوع ہوتا ہے، اور ہم نیند سے بیدار ہوتے ہیں جو کہ چھوٹی موت ہے، اور اللہ تعالیٰ مزید اعمال ذخیرہ کرنے کے لیے ہمیں ایک اور دن دیتا ہے۔

مجاہد فرماتے ہیں: اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی مراد عید الا ضحی کے صبح سویرے کی روشنی ہے۔

والفجر کی تفسیر میں مفسرین کے نظریات و آراء

1 - مکمل فجر کا وقت۔
2 - فجر صبح کی نماز کا وقت: کیونکہ صبح کی نماز کے وقت فرشتوں کے دو گروہ موجود ہوتے ہیں:

رات کے فرشتے اوپر اور دن کے فرشتے نیچے آتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہےمیرے بندے کہاں تھے اور کیا کررہے تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں: انہیں اس حال میں چھوڑ آئے ہیں کہ وہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:(يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلاَئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلاَئِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلاَةِ الفَجْرِ وَصَلاَةِ العَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ) (بخاری: 555 و 3223 و 7429 و 7486) و (مسلم: 632) ترجمہ: فرشتے آگے پیچھے زمین پر آتے جاتے ہیں، کچھ فرشتے رات کے ہیں اور کچھ دن کے اور یہ سب فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوجاتے ہیں، پھر وہ فرشتے جو تمہارے یہاں رات میں رہے، اللہ کے حضور جاتے ہیں تو اللہ ان سے پوچھتا ہےحالانکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ جب ہم نے انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی

نماز پڑھ رہے تھے، اسی طرح جب ہم ان کے ہاں گئے تھے، تب وہ (عصر) کی نماز پڑھ رہے تھے، صبح اور عصر کی نماز کے وقت فرشتوں کے دونوں گروہ انسانوں کے پاس حاضر ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کے لیے جگہ خالی کرتے ہیں، انسانوں کے دن اور رات کے اعمال آسمان پر لے جاتے ہیں۔

"فجر" حج کی صبح، عید قربان، (ذی الحج کی راتوں میں سے آخری رات)قرآن کریم میں فجر کی جو دوسری تعبیر آئی ہے وہ فلق ہے: "قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِۙ۝۱" "میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی" فلق یعنی پھاڑنا، یہ اندھیرے کے پردے کو پھاڑتا ہے اور اس اندھیرے کے دل سے روشن صبح نکالتا ہے۔

وَلَيَالٍ عَشۡرٍۙ۝۲	اور دس راتوں کی (2)

ذی الحج مہینے کی پہلی دس مبارک راتوں کی قسم، کیونکہ یہ ایک محترم وقت ہے، کہ اس میں بہت اچھے اعمال کثرت سے کیے جاتے ہیں، عبادات اور مناسک ادا کرنے کا وقت مقرر کیا گیا ہے، (یہ جمہور کی رائے ہے، اور ابن عباس ؓ سے بھی روایت ہے) بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں: اس سے مراد رمضان کے آخری دس دن ہیں، کیونکہ اس میں شب قدر ہے، ابن عباس ؓ سے بھی یہ قول مروی ہے، لیکن پہلا قول راجح ہے)

حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی کی تائید میں فرماتے ہیں:(مَا مِنۡ أَيَّامٍ العَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنۡ هَذِهِ الأَيَّامِ العَشۡرِ) ترجمہ: "نیک اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذی الحج کے پہلے عشرے کی طرح کسی اور دن میں محبوب نہیں" (ترمذی: 757) و (ابوداود: 2438) و (ابن ماجه: 1727) حکم البانی: صحیح۔

دس راتوں کے بارے میں مفسرین کے نظر یات:

1 - ذی الحج کا پہلا عشرہ : یہ اللہ کے دنوں (ایام اللہ) سے مشہور ہیں، نیک اعمال کا ان دنوں میں بہت زیادہ اجر و ثواب ہے، تمام نیک اعمال ان دنوں میں جمع ہوجاتے ہیں، وہ سارے نیک عمل جو شب قدر میں ہیں وہ ذی الحج کے پہلے عشرے میں بھی ہیں، علاوہ اس کے کہ ذی الحج میں مناسک حج بھی ادا کیے جاتے ہیں، جس میں تمام مسلمان یک صدا ہوکر لبیک کہتے ہیں، اور شیطان ناراض ہوجاتا ہے، ذی الحج کے پہلے عشرے کی عبادت اور روزہ کی فضیلت اللہ کے راستے میں جہاد سے بھی زیادہ

ہے، مگر سوائے اس شخص کے جو جہاد میں شہید ہو اور اپنے تمام مال و دولت کو اللہ کےراستے اور جہاد میں کھو دیا ہو، صرف اس صورت میں شہید کی فضیلت زیادہ ہے:"مَا مِنْ أَيَّامٍ العَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ الأَيَّامِ العَشْرِ"، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَا الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"وَلَا الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ" (ترمذی: 757) و (ابوداود: 2438) و (ابن ماجه: 1727) حکم البانی: صحیح.

2 - "وَلَيَالٍ عَشْرٍ" سے رمضان کا آخری عشرہ مرادہے، شب قدر کی وجہ سے۔

رمضان کے آخری عشرے کے بارے میں علماء کی دو رائے

1 - بعض کا خیال ہے کہ دس راتوں سے مراد رمضان کی آخری راتیں نہیں ہیں، کیونکہ سورۃ الفجر مکی ہے، جبکہ رمضان کے روزے کی فرضیت ہجرت کے دوسرے سال میں ہوئی ہے۔

2 - بعض دوسرے مفسرین کا کہنا ہےکہ اگرچہ کوئی دلیل موجود نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے علم غیب سے ہر اس چیز کی قسم کھا سکتا ہے جو ابھی تک نازل نہیں ہوئی ہو۔

آخر میں علماء نے اس آیت سے متعلق درج ذیل دو رائے پیش کی ہیں:

1 - رمضان کی راتیں جبکہ ذی الحج کے دن بہتر ہیں۔

2 - عشرہ ذی الحج بہتر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دن ہیں جو بہت زیادہ مقام اور فضیلت رکھتے ہیں، اس میں شب قدر کے تمام اعمال کے علاوہ حج بھی ہوتا ہے۔

وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ۳○	اور جفت اور طاق کی (ہر چیز کی قسم کھاتا ہے) (3)

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی قسم کھائی ہے، کیونکہ ہر چیز یا تو جفت ہوگی یا طاق، خالق اور مخلوق بھی اس میں شامل ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے، تمام مخلوقات جو نر اور مادہ سے پیدا ہوئے ہیں جوڑے ہیں، (یہ رائے مجاہد اور ابن عباس ؓ سے روایت کی گئی ہے)، اور ابن عباس ؓ سے یہ بھی

روایت ہے کہ "شفع" یعنی: عید قربان کے دن، اور "وتر" عرفہ کے دن، اس لیے نواں "9" دن ہے، اس بارے میں بہت سارے اقوال منقول ہیں، مزید تفصیل معلوم کرنے کے لیے تفاسیر کی طرف رجوع فرمائیں،(تفسیر صفوة التفاسیر)

"الشفع" زوج، جوڑا "الوتر" طاق، "شفع ووتر" اس میں پوری کائنات شامل ہے، بعض کا خیال ہے کہ "شفع" الله کی مخلوق اور "وَتْر" الله کی ذات ہے۔ (قاسمی- خرمدل)

وَالَّيۡلِ اِذَا يَسۡرِۚ۝۴	اور رات کی جب (وہ دن کی روشنی کی طرف) چلتی ہے (4)

رات کا صبح کی روشنی کی طرف جانا یہ ایک نشانی ہے جو خدائے بزرگ و برتر کی قدرت کو ظاہر کرتی ہے۔

هَلۡ فِىۡ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىۡ حِجۡرٍؕ‏۝۵	کیا اس میں کسی صاحب عقل کے لیے کوئی قسم ہے؟ (5)

یعنی: عقل والوں کے لیے قائل کرنے والی قسم موجود ہے؟ یہ تقریری استفہام ہے، اس سے مذکورہ امور کی وسعت اور اہمیت کا پتہ چلتا ہے، گویا کہ فرماتا ہے: کہ یہ عقل اور سمجھ رکھنے والوں کے نزدیک حقیقت میں ایک بڑی اور عظیم قسم ہے، لہذا جو بھی عقل و شعور رکھتا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ مذکورہ بالا اشیاء میں خدا کی وحدانیت اور اس کے وجود کے بے شمار دلائل ہیں، پس یہ سب اشیاء قسم کھانے کے لائق اور مناسب ہیں کیونکہ یہ خدائے عظیم الشان پر دلالت کرتی ہیں، (بنقل از تفسیر صفوة التفاسیر)

مفسر قرطبی فرماتے ہیں: بعض اوقات الله تعالیٰ اپنے اسماء و صفات کی قسمیں کھاتا ہے جس سے اس کا علم ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی افعال کی قسم کھاتا ہے کیونکہ وہ اس کی طاقت اور قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔

جیسا کہ فرمایا ہے: "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓىۙ‏۝۳"اور اپنے مخلوقات کی قسم کھاتا ہے، کیونکہ وہ اس کی قدرت اور طاقت کو بیان کرتی ہیں: "وَالشَّمۡسِ وَضُحٰٮهَا۝۱، وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِۙ‏۝۱"اور "وَالۡفَجۡرِۙ‏۝۱وَلَيَالٍ عَشۡرٍۙ‏۝۲" (تفسیر قرطبی: 19 / 41)

جواب قسم محذوف ہے اور تقدیر اس کی اس طرح ہے: ان اشیاء کے رب کی قسم میں کفار کو عذاب دوں گا، (آلوسی: 122/30)

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۪ۙ○	(اے پیغمبر) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا (6)

(اور کیا مصیبت ان پر آئی) جب ان کو سخت اور تیز ہوا کے ساتھ عذاب سے دو چار کیا، اور ہلاک کر کے نابود کیا، حالانکہ وہ کفار مکہ سے زیادہ طاقتور تھے، اس لیے ان کفار کی ہلاکت زیادہ آسان ہے۔

"اَلَمۡ تَرَ"کیا نہیں دیکھا؟ دیکھنے سے مراد آنکھ کا دیکھنا نہیں ہے، بلکہ دل کی آنکھ سے عقلی طور پر دیکھنا اور سمجھنا ہے۔

"رَبُّكَ" تیرا پروردگار، یہ پیغمبر کے لیے بشارت ہے کہ تجھے تنہاء نہیں چھوڑوں گا، اور مقصود پوری امت ہے۔

"بِعَادٍ اِرَمَ" عاد قوم ھود کے باپ کا نام ہے، اس کا قبیلہ اس کے نام پر تھا، سلطنت عمان میں یمن کے علاقےمیں رہتے تھے، چونکہ یہ مکہ کے قریب تھے اس لیے اہل مکہ ان کے حالات اورتاریخ سے با خبر تھے، جن کا پیغمبر ھود علیہ السلام تھا، وہ لوگ کافی مضبوط اور طاقتور تھے، اِرَمَ شاید ان کے دادا کا نام ہو۔

اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ۪ۙ○	اِرَمْ کے لوگ ستونوں جیسے لمبے قد والے (7)

اور ان کے محل اور خیمے ستون والے تھے،" اِرَمَ" قوم عاد کا دوسرا نام ہے، جو عاد سے بدل اور مجرور ہے،"ذَاتِ الۡعِمَادِ" ستون جیسے دراز اور لمبے قد والے، طاقتور اور اونچے اونچے ستونوں سے بھرے محلات اور خیمے تھے، اس سے مراد قوم عاد کی مادی اور جسمانی طاقت ہے۔ (تفسیر نور مصطفی خرّم دل)

الَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِ۪ۙ○	وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا (8)

اس قبیلے کے افراد کی طرح مضبوط، لمبے قد و قامت، طاقتور کسی اور کو نہیں بنایا گیا۔

قوم عاد

عاد (عادیوں کے پر دادا کا نام تھا) تفاسیر میں جو کہا گیا ہے اس کے مطابق قوم عاد سام بن نوح کی نسل سے ہے، جو مضبوط جسامت کے مالک اور طاقتور تھے، عادیوں کی سرزمین زرخیز ، سرسبز اور شاداب تھی اور انہوں نے اپنی خداداد قوتوں سے اسے آباد کرنا شروع کیا، اور پہاڑوں اور اونچی جگہوں پرنہایت مضبوط اور خوبصورت محلات اور قصر تعمیر کیے جو قرآن کے مطابق ان کی طرح کہیں اور نہیں بنائے گئے،(شیخ قرطبی نے لکھا ہے کہ مثلٰها ضمیر قبیلہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اس قبیلہ جیسی قوت، مضبوطی، بڑے جسم اور لمبے قد دیگرشہروں میں کوئی پیدا نہیں کیے گئے، انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ ایک گروہ اس ضمیر کوعادیوں کے شہر کی طرف راجع سمجھتا ہے، یعنی اس جیسا شہر کہیں نہیں بنایا گیا:

قولہ تعالیٰ: "الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ" الضمير فى "مثلها" يرجع إلى القبيلة. أى لم يخلق مثل القبيلة فى البلاد: قوة وشدة، وعظم أجساد، وطول قامة؛ عن الحسن وغيره. و فى حرف عبدالله «التى لم يخلق مثلهم فى البلاد». وقيل: يرجع للمدينة. و الأول أظهر، و عليه الأكثر، حسب ما ذكرناه.) زیادہ طاقت اور ترقی قوم عاد کے تکبر اور سرکشی کا سبب بنی، چنانچہ ان کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی کہ انہوں نے اپنے نبی کی دعوت حق سے انکار کردیا اور کہا: کون ہم سے زیادہ طاقتور ہے (سورہ فصلت: 15) کہ ہمیں عذاب دے سکے؟ قرآن مجید سورہ ھود آیت: 60) میں صراحت سے موجود ہے کہ عاد وہی قوم ھود ہے، قبیلہ یا قوم عاد کا نام 24 مرتبہ قرآن مجید میں آیا ہے، اور سورہ نجم آیت "50" میں "عادنِ الاولیٰ" کہا گیا ہے کہ بعض محققین اس سے استدلال کرتے ہیں کہ عاد کے دو قوم تھے: "عادنِ الاولیٰ"جس کی ایک ہزار سے زائد شاخیں ہیں، ان کی ہلاکت کے بعد "عاد ثانی" ظاہر ہوئے جو کہ بت پرست تھے، جن کے بتوں کے نام کتب اصنام میں ذکر ہوئے ہیں۔

(تفسیر قرطبی سورۂ نجم آیت 50 کی تفسیر میں ہے کہ: قولہ تعالیٰ: (وأنه أهلك عادا الأولى) سماها الأولى لأنهم كانوا من قبل ثمود. وقيل: إن ثمود من قبل عاد. وقال ابن زيد: قيل لها عاد الأولى لأنها أول أمة أهلكت بعد نوح عليه السلام. وقال ابن إسحاق: هما عادان فالأولى أهلكت بالريح الصرصر، ثم كانت الأخرى فأهلكت بالصيحة. وقيل: عاد الأولى هو عاد بن إرم بن عوص بن سام بن نوح، وعاد الثانية من ولد عاد الأولى؛ والمعنى متقارب. وقيل: إن عاد الآخرة الجبّارون وهم قوم هود)

قوم عاد بت پرست تھے، خدا تعالیٰ نے ان کی طرف ھود علیہ السلام کو بھیجا، حضرت ھود ؑ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے ایک تھے جن کا اسم گرامی سات بار قرآن میں ذکر ہوا ہے، اور قرآن کریم کی ایک سورت بھی ان کے نام سے ہے۔

ھود حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ہیں، سات پشتوں کے بعد ان سے جا ملتے ہے، ان کو ھود اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہیں قوم کو گمراہی سے نجات دلانے، اور رب کی طرف سے اپنی قوم کی ہدایت کے لیے چنُا گیا تھا، لیکن قوم عاد نے ھود علیہ السلام کو بے وقوف اور احمق تصور کیا (سورہ اعراف: 66، سورہ ھود: 54)، خدا کی عبادت سے منہ پھیر لیے اور اپنے باپ دادا کے دین سے چمٹ گئے، تکبر کرنے لگے اورھود علیہ السلام کو ستانے لگے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا عذاب طوفان اور ہوا کی صورت میں ان پر نازل ہوا، ھود علیہ السلام اور اس کے تھوڑے سے پیروکاروں کے علاوہ سب کے سب نابود ہوگئے، قوم عاد کے واقعات: سورہ اعراف، ھود، مؤمنون، شعراء اور فصلت میں تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں، قرآن کی رو سے جو کچھ سامنے آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد کے محل سکونت احقاف (ایک ریگستان عمان اور حضر موت کے درمیان) میں تھا، (سورۂ احقاف آیت: 21)

سورۂ حاقہ آیت 6 تا 8 میں ہے: لیکن قوم عاد ایک تیز، سرکش اور ٹھنڈی ہوا سے ہلاک ہوگئی(6) خدا نے اس کو سات رات اور آٹھ دن مسلسل ان پر چلائے رکھا تو لوگوں کو اس میں اس طرح (زمین پر) گرے ہوئے دیکھتا جیسے وہ کھجوروں کے گرے ہوئے تنے ہوں (7) تو کیا ان کا کوئی بھی باقی رہنے والا تونے دیکھا ہے؟ (8) (مزید تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی، تفسیر جلالین، ابن کثیر و تفسیر بغوی کا مطالعہ کریں)

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝	(کیا تم نہیں جانتے ہو تمہارے رب نے)قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادی (قریٰ) میں پتھر تراشتے(اور گھر بناتے) تھے (9)

وہی قوم جو شام اور مدینے کے درمیان وادی قریٰ میں بڑے بڑے چٹانوں کو تراشتی اور کاٹتی تھی، اور پہاڑوں کے اندر اپنے لیے عالیشان محلات اور گھر بنا کر رہتی تھی۔

وادی قریٰ کی سرزمین (مکہ اور مدینہ کے درمیان) شہر حجر میں (اب بھی ان کے کچھ آثار اور علامات بڑے بڑے پتھروں کے درمیان دیکھے جاسکتے ہیں) زندگی بسر کرتے تھے، اور مختلف قبائل سے تشکیل پاتے تھے، قوم عاد

کی طرح بت پرستی، ظلم اور سرکشی میں ڈوبے ہوئے تھے، عمارتیں اور محلات بناتے تھے، اور ان کی زندگی میں سوائے انحراف اور گمراہی کے اور کچھ نظر نہیں آیا۔

حضرت صالح

حضرت صالح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے ایک ہیں قرآن کریم میں گیارہ مرتبہ ان کے نام کا تذکرہ ہوا ہے، حضرت صالح ثمود قبیلے سے اور سام بن نوح کے پوتے تھے، بعض مؤرخین حضرت صالح کے سلسلہ نسب سے متعلق لکھتے ہیں: "صالح بن عبید بن جابر بن ثمود" اور بعض دوسروں نے ان کو: "صالح بن جابر بن ارم بن سام بن نوح" لکھاہے، حضرت صالح ان پیغمبروں میں سے تھے جن کو عربی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا، اور روایات کے مطابق "280" سال عمر پائی۔

روایات کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام کا مدفن اور مقام حجرالاسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کعبہ کے پہلو میں ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجے گئے تھے، دن اور رات محنت کرکے اس قوم کو خدا اور نیکیوں کی طرف دعوت دی، لیکن اس قوم نے ان کی اطاعت نہیں کی، بلآخر وہ قوم خدا کے سخت عذاب میں گرفتار ہوگئ ۔

حضرت صالح علیہ السلام تیسرے پیغمبر تھے جو حضرت نوح اور ھود علیہما السلام کے بعد بتوں اور بت پرستی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ، برسوں تک ان سے لڑتے رہے ۔

بعض روایات کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام نے سولہ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا شروع کیا، ایک سو بیس (120) سال تک ان کو دعوت دیتے رہے، لیکن سوائے چند آدمی کے اور کوئی ان پر ایمان نہیں لایا۔

مغضوب زمین:

اس سے مراد وہ زمین ہے جس میں عذاب الٰہی کا نزول ہوا ہو، وہ سرزمین جو مغضوب ہیں، ان میں: لوط علیہ السلام کی سرزمین، بابل اور ثمود (مدینہ اور شام کے درمیان جس میں قوم صالح رہتی تھی) اور مسجد ضرار (جو مسجد قبا کے پہلو میں ہے جسے منافقین نے بنایا تھا) شامل ہیں، اگر چہ مغضوب سرزمین میں جمہور علماء کے نزدیک نماز پڑھنا درست ہے، لیکن چند دوسرے

علماء اس میں نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

محدثین فرماتے ہیں: کہ ایک دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ثمود کے علاقے سے گزرے تو فرمایا:(لاَ تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلاَءِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلاَ تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ، لاَ يُصِيبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ) بخاري (433) ترجمہ: "ان عذاب والوں کے آثار سے اگر تمہارا گزر ہو تو روتے ہوئے گزرو، اگر تم اس موقع پر نہ رو سکو تو ان سے گزرو ہی نہیں، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی ان کا سا عذاب آجائے"

اور مسلم کے لفظ میں ہے کہ : (لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ، إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ حَذَرًا، أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ) مسلم (2980) ترجمہ: "جن لوگوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے ان کی رہائش گاہوں میں داخل نہ ہونا، مگر اس طرح کہ تم رو رہے ہو، ڈر رہے ہو کہ تمہیں بھی عذاب نہ آجائے جس نے انہیں آ لیا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے سواری کو ہانکا رفتار تیز کی یہاں تک کہ اس جگہ کو پیچھے چھوڑ دیا"

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:(أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا نَزَلَ الْحِجْرَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ أَمَرَهُمْ أَنْ لا يَشْرَبُوا مِنْ بِئْرِهَا وَلا يَسْتَقُوا مِنْهَا، فَقَالُوا: قَدْ عَجَنَّا مِنْهَا وَاسْتَقَيْنَا، فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَطْرَحُوا ذَلِكَ الْعَجِينَ وَيُهَرِيقُوا ذَلِكَ الْمَاءَ) بخاري (3378) ومسلم (2981) ترجمہ:"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجر (ثمود کی بستی) میں غزوہ تبوک کے لیے جاتے ہوئے پڑاؤ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ یہاں کہ کنویں کا پانی نہ پینا اور نہ اپنے برتنوں میں ساتھ لینا، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کی کہ ہم نے تو اس سے اپنا آٹا بھی گوند لیا ہے اور پانی اپنے برتنوں میں بھی رکھ لیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ گوندا ہوا آٹا پھینک دیا جائے (یا اونٹوں کو دے دیں) اور اس پانی کو بہا دیں۔"

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بابل میں نماز پڑھنے کو مکرو سمجھتے تھے (اس موضوع کی تفصیل : الموسوعة الفقهيہ: 190/30 میں ملاحظہ کرسکتے ہیں)

وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ ۪ۙ﴿۱۰﴾	اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (کس طرح کیا) (10)

(اور) اے محمدا! (کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے رب نے) فرعون کے ساتھ کیا کیا؟

ایک باغی اور جابر فرعون جس کے پاس بڑی فوج اور لشکر تھی جس کے ذریعے اس نے اپنی سلطنت کو مضبوط کیا۔

مفسر ابو سعود فرماتے ہیں: اس لحاظ سے اسے "أوتاد" کہا گیا کہ اس کی بہت زیادہ فوج اور کثیر تعداد میں خیمے تھے، اپنے فوجی چھاؤنیوں کے لیے میخیں استعمال کرتا تھا، یا اس لیے کہ لوگوں کو میخوں سے تشدد کرتا اور اذیتیں پہنچاتا، (ابوسعود:362/5)

ابن عباس ؓ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: فرعون کے بہت سارے سپاہی اور لشکر تھے جن کے پاس کافی سارے خیمے ہوتے تھے، ان خیموں کو میخوں کے ذریعے مضبوط کرتے۔

"أوتاد": میخیں، یہ اشارہ ہے فرعون کی فوج، لشکراور بہت سارے خادموں کی طرف جو فوجی اور میدانی خیموں کو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کیلوں سے مضبوطی سے باندھا کرتے تھے۔

دوسرا یہ کہ:میخیں زمین میں گاڑتے، اور جو لوگ فرعون کے غضب کا نشانہ بنتے انہیں اذیتیں دیتے اور کیلوں سے انہیں میخ لگاتے یہاں تک کہ وہ فوت ہوجاتے۔

لفظ "ذِي الْأَوْتَادِ" کی تفسیر کے بارے میں مفسرین کی آراء کا اظہار درج ذیل شرح سے کیا جاسکتا ہے:

(1) پہاڑ والے (اہرام) فرعونوں نے اہرام بنائے تاکہ ان کے اندر ان کی قبریں رکھی جاسکیں، اور انہوں نے ان بڑی عمارتوں کی تعمیر کے لیےلوگوں کو جبری مشقت پر مجبور کیا۔

(2) ایک فرعون جو لوگوں کو اذیت دینے کے لیے کوڑے کا استعمال کرتا تھا۔

(3) وہ فرعون جس کے پاس اپنی حکومت اور بادشاہت کی حفاظت کے لیے بہت سی فوجیں اور لشکر تھے، اور لمبے ستون جو ان لوگوں نے جشن کے دوران کھڑے کیے تھے۔

ملاحظہ:

سب سے خوبصورت تفسیر اور تعبیر اس آیت مبارکہ" وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ" کے متعلق یہ ہے کہ: مصری فرعونوں کی عمارتوں کی شکلیں الٹی کیلوں کی طرح تھیں کہ بنیاد سے چوڑی اور اوپر سے پتلی جس کی نمونے قاہرہ میں تکونہ اہرام کی صورت میں موجود ہیں ، (واللہ اعلم) (تفسیر مرغی اور تفسیر فرقان سے منقول)

محترم قارئین:

مؤرخین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے: جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار فرعون اور فرعونیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آگئے تو مصر میں ان کا رہنا دشوار ہوگیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے عزم اور فیصلہ کرلیا کہ بنی اسرائیل کے ساتھ فلسطین (بیت المقدس) کی طرف ہجرت کریں، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اپنے پیروکاروں کو رات کے وقت مصر سے باہر نکالے۔

موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار رات کو مصر سے فلسطین کی طرف نکل پڑے ، سفر کے دوران دریا نیل تک پہنچے ، اس مشکل کی گھڑی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و مہربانی سے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی، کہ اپنی عصا سے دریا کو مارو، "فَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡبَحۡرَ ؕ○ فَانۡفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرۡقٍ کَالطَّوۡدِ الۡعَظِیۡمِ ۚ۶۳○"(شعراء:63) اور فرمایا:"فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِیۡقًا فِی الۡبَحۡرِ یَبَسًا ۙ○ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخۡشٰی ۷۷○" (طہٰ:77) بنی اسرائیل کے لیے دریا میں خشک راستہ بنادے کہ (فرعونیوں) کے پیچھا کرنے سے ڈرو گے نہ دریا نیل میں ڈوبنے اور غرق ہونے سے (سورہ طہٰ:77)

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی لاٹھی دریا پر دے ماری ، دریا کا پانی شق ہوگیا اور دریا کے نیچے کی زمین ظاہر ہوگئی، موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل اسی راستے سے چلتے ہوئے دریا کی دوسری طرف سلامتی کے ساتھ نکل گئے۔

فرعون اور اس کے سپاہی جب پہنچ گئے،تو اسی راستے سے جو دریا کے بیچ میں خشک نکل آیا تھا بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے لگے، فرعون پر غرور اور تکبر اتنا غالب آیا تھا کہ اپنے سپاہیوں کی جانب منہ کرکے کہا: دیکھ لو کیسے

میرے حکم سے دریا دو لخت ہوگیا اور راستہ دیا تاکہ اپنے بھگوڑے غلاموں (بنی اسرائیل) کا تعاقب کروں۔

جب فرعون کی فوج کا آخری آدمی دریائے نیل کے کھلے راستے میں داخل ہوا تو اچانک اللہ تعالیٰ کےحکم سے پانی دونوں طرف سے باہم مل گیااور تمام فرعونیوں کو غرق کرکے ہلاک کردیا، طوفان کے عین لمحے میں جب فرعون نے خود کو موت کے شدید خطرے میں دیکھا، تو اس نے شکست مان لی اور اسے احساس ہوا کہ اس کی ساری زندگی سرکشی میں گزری اور اس نے غلطی کی، روتی آنکھوں کے ساتھ جہاں خدا کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:(اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۝۹۰) (سوره یونس:90) ترجمہ: "میں ایمان لایا کہ جس (خدا) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمابرداروں میں ہوں۔"

لیکن اس وقت اور موقع ہاتھ سے گیا تھا، توبہ کرنے کا کوئی لمحہ نہیں بچا تھا، دریائے نیل کی موجوں نے فرعون کو غرق کردیا پھر اس کے بے جان جسم کو دریا سے باہر پھینک دیا، تاکہ آنے والے نسلوں کے لیےعبرت کا نشان بنے، (اس بحث کی تفصیل آیات متبرکہ:95 تا 92 سوره یونس میں ملاحظہ کریں)

الَّذِیۡنَ طَغَوۡا فِی الۡبِلَادِ ۝۱۱	وہ لوگ جنہوں نے شہروں میں سرکشی اختیار کرلی تھی (11)

یہ عاد، ثمود اور فرعون کی تفصیل ہے، یعنی: اِن میں سے ہر قبیلے نے اپنی اپنی سرزمین میں بغاوت شروع کردی اور حکم الٰہی سے پھر گئے اور سرکشی کی : باغی اور سرکش کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

"الَّذِیۡنَ" مذکورہ تینوں اقوام، یعنی: عاد، ثمود، فرعون اور اس کی قوم۔

"طَغَوۡ" زمین میں فساد اور سرکشی کی۔

یہ قوم عاد، ثمود، فرعون اور ان کے پیروکاروں کی صفت ہے جنہوں نے شہروں، آبادیوں میں سرکشی اور بغاوت کی، اور اللہ کے بندوں کو دین اور دنیا مین اذیت پہنچائی اور ظلم کیے۔

فَاَکۡثَرُوۡا فِیۡهَا الۡفَسَادَ ۝۱۲	اور ان میں بہت فساد مچایا تھا (12)

قتل، ظلم، اور سرکشی کی، اور اللہ کی زمین پر بہت سارے گناہ اور معاصی کے مرتکب ہوئے۔

"اَلۡفَسَادَ" اس سے مراد بھرپور فساد اور تباہی، (روحانی فساد) یعنی: جیسے کفر اور شرک، (حسی اور عملی فساد) جیسے ظلم ، فسق اور فجور ہے۔

انہوں نے فساد اور بدعنوانی میں حد سے تجاوز کیا، کفر اور گناہ کے مرتکب ہوئے، شدید کفر کی بناء پر ظالم ہوئے اور پیغمبروں کے ساتھ جنگ اور مخالفت میں اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کی بہت کوششیں کیں۔

فَصَبَّ عَلَيۡهِمۡ رَبُّكَ سَوۡطَ عَذَابٍۚ ۝١٣	چنانچہ تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسادیا (13)

یہ تشریح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں مثال کے طور پر قتل کے لیے کوڑے مارنے کے مترادف ہے۔

"سَوۡطَ"کیا ہے:

"سَوۡطَ" کوڑے مارنے کے معنی میں ہے، اصل معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز میں مخلوط کرنا، اس کے علاوہ وہ کوڑا جو چمڑے کے مختلف حصوں سے یا اس جیسی چیز سے بُنا گیا ہو پر اس کا اطلاق ہوا ہے، اور بعض اسے عذاب کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، وہ عذاب جو انسان کے گوشت اور خون میں پیوست ہوجاتا ہے، اور اسے سخت تکلیف پہنچاتا ہے۔

"صَبَّ"کا معنی دراصل پانی بہانا ہے، یہاں اس عذاب کی شدت اور تسلسل کی طرف اشارہ ہے، اس مختصر تشریح سے مراد وہ سخت اور مختلف سزائیں ہیں جو ان اقوام کو دی گئیں۔

مفسرین لکھتے ہیں: قوم عاد کو تیز اور جلانے والی ہوا کے ذریعے ہلاک کیا (سورہ حاقہ:6)،قوم ثمود کو ایک بڑی آسمانی چیخ کے ساتھ نیست و نابود کیا (سورہ حاقہ:5)، اور قوم فرعون کے لوگ دریائے نیل کی موجوں میں غرق ہوکر ڈوب گئے (زخرف: 55)

اس بحث کی آخری آیت میں ان تمام لوگوں کے لیے جو سرکشی کے راستے پر چلتے ہیں تنبیہ کے طور پر کہتا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِؕ ۝١٤	بے شک تیرا رب یقیناً گھات میں ہے (14)

بے شک تمہارا رب ہر سرکش، جبّار اور ظالم کی تاک میں ہے، اسے تھوڑی سی مہلت دیتا ہے، پھر سختی سے پکڑتا ہے اور اس کا عذاب ختم ہونے والا نہیں ہے۔

"مِرۡصَادِ" یہ "رصد" کے مادے سے ہے، کسی چیز کی نگرانی کے لیے تیارہونا، فارسی میں اس کے مترادف معنی (کمین گاہ) یعنی گھات ہے۔

یہ لفظ عام طور پر ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے جہاں لوگوں کو کسی گزر گاہ کوعبور کرنا ہوتا ہے اور کوئی دوسرا شخص چور ڈاکو قاتل وغیرہ اس گذرنے کی جگہ تاک میں انہیں مارنے کے لیے بیٹھا ہوتا ہے، مجموعی طور پر اس کا معنی یہ ہے کہ آپ یہ نہ سوچیں کہ عذاب الہٰی کے چنگل سے کوئی بھاگ سکتا ہے، ہر کوئی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ جب چاہتا ہے انہیں سزا دیتا ہے، ظاہر ہے کہ خدا کی کوئی جگہ نہیں ہے اور نہ کسی گزرگاہ میں بیٹھتا ہے یہ تعبیر اشارہ ہے خدا کی قدرتِ احاطہ یعنی تمام ظالموں، باغیوں اور مجرموں کو گھیرنے کی طرف۔

محترم قارئین:

آیات مبارکہ 15 تا 30 میں آخرت کی طرف توجہ نہ کرنے پر انسان کی مذمت، حد سے زیادہ حرص، دنیا کی محبت اور دنیا کی پرستش کرنا، دنیاوی مال سے بے نیازی اور قیامت کے دن کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ۬ ۝ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِؕ ۝١٥	پس لیکن انسان جب اس کا رب اسے آزمائے، پھر اسے عزت بخشے اور اسے نعمت دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی (15)

پس انسان! جب اس کا رب اسے آزماتا ہے(نعمتیں دے کر) پھر اسے عزت بخشے اور نعمت دے (اس کو مال دے کر اور رزق میں وسعت دے کر اسےنعمتیں عطا کرتا ہےتو کہتا ہے: مجھے میرے رب نے عزت بخشی، اس لیے اس خیال کے ساتھ کہ دنیا کے فائدے اس کے لیے اللہ کی طرف سے عزت افزائی ہے، اس پر خوش اور مغرور ہوجاتا ہے، بجائے اس کے کہ ان نعمتوں کاشکرگزار بنے، یا اس کو یہ فکر لاحق ہو کہ یہ اس کے لیے رب کی طرف سے ایک امتحان ہے۔

مفسر تفسیربیضاوی فرماتے ہیں: گویا کہ الله فرماتا ہے: "اے انسان! جان لو کہ میں تمہاری گھات میں ہوں، چاہتا ہوں کہ تم اپنی آخرت کے لیے کوشش کرو، لیکن انسان کو دنیا کی فکر، سوچ اور لذتوں کے علاوہ کسی اور چیز کی پرواہ نہیں"

"لیکن جب اسے آزمائے (مصیبت اور تکلیف کے ساتھ) اور اس کا رزق، روزی اس پر تنگ کرے" (اور اس میں اس کے لیے کوئی کشادگی اور فروانی نہ رہے تو) کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کیا ہے (یعنی مجھے خواری اور حقارت میں دھکیل دیا ہے)۔

یہ ان منکروں کی صفت ہے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ، اس لیے ایسے لوگوں کی نظر میں دنیا اور اس کے وسیع فوائد کے علاوہ کوئی عزت و تکریم نہیں اور دنیا کے فوائد کو کھونے اور اس کی سجاوٹ تک عدم رسائی کے علاوہ ان کی نظر میں کوئی ذلت اور رسوائی نہیں ہے لیکن مؤمن کی کرامت اور عزت یہ ہے کہ خدا اس کی بخشش فرماکر اس کو اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کی توفیق عطا کرکے آخرت کے عمل کے لیےتوفیق بخش دے، پس مؤمن نہ دنیا کے کام میں وسعت کو عزت سمجھتا ہےاور نہ اس کی اہانت، بلکہ کام کی وسعت اور دولت کو اپنے لیے آزمائش سمجھتا ہے کہ کیا اس کے مقابلے میں شکر ادا کرتا ہے کہ نہیں؟ اور فقر کو بھی اپنے لیے آزمائش سمجھتا ہے کہ کیا اس پر صبرکرتا ہے کہ نہیں؟

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ۚ ١٦	اور لیکن جب وہ اسے آزمائے، اور اس پر اس کا رزق تنگ کردے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کردیا ہے (16)

اور جب وہ اسے آزماتا ہے، تو اس پر اس کا رزق تنگ کردیتا ہے(تو وہ نا امید ہوجاتا ہے اور) کہتا ہے:"رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ"مجھے میرے رب نے خوار اور ذلیل کردیا، یعنی:مجھے رسوائی اور حقارت میں دھکیل دیا ہے، اس لیے وہ الله تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں پر جو اسے عطا کی گئی ہیں جیسے: اس کے اعضاء کی صحت و سلامتی اور جسمانی درستی پر وہ شکر ادا نہیں کرتا، اور جب الله تعالیٰ کسی شخص کے رزق میں کمی کردیتا ہے اور اس کی فلاح و بہبود کو محدود کردیتا ہے، اور محنت کے باوجود اسے محدود خوراک مہیا کرتا ہے، اس طرح کہ اس کے روز مرہ کے کھانے سے زیادہ نہ ہو، تو وہ سمجھتا ہے کہ الله تعالیٰ نے اسے ذلیل کیا اور اسے عزت نہیں دی، فکر اور تنگدستی سے اس کو عذاب دے رہا ہے رب اس پر توجہ ہی نہیں دیتا، حالانکہ انسان کا یہ طرز تصور اور

سوچ درست نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے آزماتا ہے، اللہ تعالیٰ سے محبت کا پیمانہ مال و دولت نہیں ہے بلکہ دین ہے۔

مفسر قرطبی لکھتے ہیں: یہ کافر کی صفت ہے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتے اللہ کے نزدیک عزت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنی اطاعت اور توفیق سے نوازے اور اسے آخرت کے حصہ کی طرف لے جائے، اگر اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں وسعت عطا فرمائے تو وہ بندہ اللہ کی حمد کرتا ہے اور شکر بجا لاتا ہے، (قرطبی:51/19)

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۙ﴿۱۷﴾	ہر گز ایسا نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے (17)

"كَلَّا" نہیں، اس کی حقیقت نہیں ہے، ایسا نہیں جیسا کہ یہ کافر سوچتے اور کہتےہیں: یہ مت بھولنا کہ عزت اور وقار دولت نہیں ہے، اور ذلت و رسوائی غربت اور بد حالی میں نہیں ہے، بلکہ عزت اور ذلت کا دارومدار اطاعت اور نافرمانی پر ہے، لیکن تم نہیں جانتے، پھر فرمایا: "بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ" بلکہ اس سے بدتر عمل کے مرتکب ہوتے ہو، یعنی: اللہ تعالیٰ نے تم پر کرم کیا، اور بہت زیادہ مال و دولت عطا کی، لیکن تم یتیم پر مہربانی اور نرمی نہیں کرتے ہو۔

"لَّا تُكْرِمُوْنَ" (عزت نہیں کرتے ، اکرام نہیں کرتے ، اپنے خیالات کے بنیاد پر:

1 - اپنے مال و دولت سے یتیم کو کچھ نہیں دیتے ۔

2 - حتی کہ تم یتیم کے مال سے کھاتے ہو، اور اس کا حق ادا نہیں کرتے، اور ساتھ ہی اس کی تذلیل و تحقیر بھی کرتے ہو۔

یتیم: وہ بچہ جس کا باپ اس کی بلوغت سے پہلے فوت ہوگیا ہو۔

حدیث میں ہے کہ: (خير بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يحسن إليه وشر بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يساء إليه ثم قال بأصبعيه: أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا) ترجمہ: "مسلمانوں میں سب سے اچھا گھر وہ ہےجس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتاہو، مسلمان گھرانوں میں سب سے بُرا گھر وہ ہےجس میں کسی یتیم کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتاہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے"

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۙ۱۸ ○	اور نہ تم آپس میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو (18)

یعنی: خود کو اور دوسروں کو اس کی تشویق اور ترغیب نہیں دیتے اور ابھارتے نہیں ہو، آپ لوگوں کے درمیان اور معاشرے میں مسکین کو کھانا کھلانے کے بارے میں گفتگو نہیں ہوتی ، نہ کوئی شخص ماتحتوں اور محتاجوں کو کھلانے کی فکر میں ہے، کہ بھوکوں کی بھوک مٹانے کے بارے میں سوچے اور ایک دوسرے کو اس کے متعلق کوئی حل تلاش کرنے کی ترغیب دے۔

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ۱۹ ○	اور میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (19)

عورتوں اور یتیموں میں سے ضعیفوں کو حق نہیں دیتے ، یعنی: وراثت کو سختی سے کھاتے ہو اس کے حلال یا حرام ہونے کی پرواہ نہیں کرتے ، یتیموں، بیواؤں اور عورتوں کے حقوق کو اللہ تعالیٰ سے ڈر اور خوف کھائے بغیر اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے ہو۔

"التسہیل" میں ہے کہ: اپنی وراثت اور دوسرے کا مال اٹھا لیتے ہو، کیونکہ عرب عورت اور یتیم کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے تھے، بلکہ وراثت مردوں کے لیے خاص تھی (مختصر:638/3)

"التُّرَاثَ" میراث: وہ مال جو کسی کے مرنے کے بعد اس کے گھر والوں اور ورثاء کو ملتا ہے۔

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ۲۰ ○	اور مال سے محبت کرتے ہو، بہت زیادہ محبت کرنا (20)

(دنیا کے مال و متاع کے ساتھ سخت محبت ہے) (دنیا کے مال و متاع پر دل ہار بیٹھے ہو) اس کو حاصل کرنے کے لیے عمریں ضائع کرتے ہو، خطرات مول لیتے ہو، اور دور دراز سفروں کے لیے آمادہ ہوتے ہو، جی ہاں! آج کل کے بہت سے انسان درہم اور دینار کے بندے ہیں، مال سے پیار کرنا فطری ہے ، البتہ مذہب نے انسانوں کے لیے جائیداد سے محبت کرنے کی مقدار مقرر کی ہے، اس لیے ہمیں مال سے محبت کرنے کا حق اس حد تک ہے کہ وہ ہمارا خادم ہو نہ کہ ہمارے حق میں خائن، ہمارے لیے سواری ہو نہ کہ ہم پرسوار ہو، اگر یہ دولت انسان کو اپنی عبودیت یا غلامی میں لاتا ہے تو یہ

بہت خطرناک ہے۔

مختصر یہ کہ تم لوگ اس دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کے لیے کوشش کرنے سے زیادہ آخرت کے لیے کوشش کرنا پسند ہے، اور وہ اس بات پر خوش نہیں ہے کہ دنیا کی دوستی اور اس کی لذتیں انسان پر غالب آجائیں اور انتہاء کو پہنچ جائیں۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الۡاَرۡضُ دَكًّا دَكًّا ۝۲۱	ہر گز نہیں، جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی (21)

ہر گز ایسا نہیں ہے(جیساکہ تم گمان کرتے ہو) "اِذَا دُكَّتِ الۡاَرۡضُ" جب زمین کو سختی سے کوٹا جائے گا بڑے زلزلہ اور شدید حرکت کے ساتھ، یہاں تک کہ زمین پر کوئی اونچی جگہ نہیں رہے گی، (زمین ہموار، صاف اور نشیب و فراز کے بغیر چٹیل میدان میں تبدیل جائے گی)

جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: (وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۝۳ وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا وَتَخَلَّتۡ ۝۴) (انشقاق:2 تا3) ترجمہ: "اور اس پر لازم بھی یہی ہے اور جب زمین ہموار کردی جائے گی۔ اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر باہر ڈال دے گی اور (بالکل) خالی ہوجائے گی۔"

"كَلَّا" روکنے اور منع کرنے کے معنی میں ہے، یعنی اے غافلو! بس کرو اور اس عمل سے باز رہو، قیامت کے دن اپنے سامنے بے چینی اور خوف ا ور ڈر پاؤ گے، وہ بھی اس وقت جب زمین حرکت کرنے اور ہلنے لگے گی۔

"دُكَّ"ٹوٹ جانا، کوٹنا اور کسی اونچی سطح کو ہموار کرکے برابر کرنا، یعنی: زمین یکے بعد دیگرے ایسی ہلائی جائے گی کہ اس پر بنی ہر عمارت ڈھے جائے گی، یہاں تک کہ پہاڑ اور ٹیلے ہموار صحرا میں تبدیل ہوجائیں گے، "دكانٌ" بھی "دُكَّ"کے مادے سے ہے، کیونکہ وہ ہموار جگہ ہے۔

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۲	اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے جو صف در صف ہوں گے (22)

"التسہیل" میں آیا ہے کہ: منذر بن سعید فرماتے ہیں: اُس موقع پر خالق خلائق کے سامنے ظاہر ہوں گے، اس آیت اور اس جیسی آیتوں پر ایمان لانا واجب ہے، بغیر اس کے کہ ہم اس کی کوئی کیفیت یا مثال بیان کریں۔

ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوقات قبر سے اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گی، حق اور انصاف کا فیصلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان آئیں گے، حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بعد اللہ تعالیٰ حق اور باطل کے درمیان فیصلے کے لیے آئیں گے، اور فرشتے منظم صفوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے، (صفوۃ التفاسیر)

وَجِاْیٓءَ یَوۡمَئِذٍۭ بِجَھَنَّمَ ۬ۙ یَوۡمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الۡاِنۡسَانُ وَاَنّٰی لَہُ الذِّکۡرٰی ؕ۲۳	اس دن جہنم کو لایا جائے گا، اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور (اس وقت) اس کے لیے نصیحت کہاں (23)

اس دن دوزخ کو سامنے حاضر کریں گے (تاکہ مجرمین دیکھیں)۔

جیسا کہ فرماتا ہے: (وَبُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِمَنۡ یَّرٰی ۳۶) (النازعات:36) حدیث شریف میں ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ: جہنم کو قیامت کے دن حاضر کیا جائے گا اس حال میں کہ اس کے ستر ہزار زنجیر ہوں گے، اور ہر زنجیر کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے۔

"یَوۡمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الۡاِنۡسَانُ" اُس بے چینی والے دن اور انتہائی خوفناک حالات میں انسان اپنے عمل کو یاد کرے گا، وہ اپنی لاپرواہی اور نافرمانی اور ذیادتیوں پر نادم ہوگا اور دنیا میں واپس آنے کی آرزو اور توبہ کرنا چاہےگا، کیا اس وقت ہوش میں آنا اور پشیمان ہونا اس کو فائدہ پہنچائے گا؟ ۔

"وَاَنّٰی لَہُ الذِّکۡرٰی" اس دن متنبہ ہونا اسے کیا فائدہ پہنچائے گا، کیونکہ اس کا وقت گذرچکا ہے، نصیحت کرنے اور متنبہ ہونے سے اس کو اس وقت فائدہ ہوتا جب وہ موت کے آنے سے پہلے حق کو یاد رکھتا، اس لیے اس کو آخرت میں توبہ کوئی فائدہ نہیں دے گا، یہ ماضی کی تلافی کا وقت نہیں ہے، وہ وقت گذر چکا ہے، عمل کا وقت ختم ہوچکا ہے اور حساب کا وقت ہے، اور پھر وہ ندامت اور پشیمانی کے ساتھ کہے گا:

یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِیۡ ۚ۲۴	کہے گا اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیجا ہوتا (24)

"قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِیۡ" کاش میں اس فانی دنیا میں اس ابدی زندگی کے لیے بھلائی اور خیر کا کوئی عمل انجام دے دیتا، کیونکہ ابدی زندگی وہاں ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ: اگر کوئی شخص پیدائش سے موت تک ساری زندگی

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف و مشغول رہے تو وہ بلاشبہ قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی حقیر اور کم تر سمجھے گا، اور وہ چاہے گا کہ اپنے اجر و ثواب میں اضافہ کے لیے اس دنیا میں واپس لوٹ آئے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۙ ۲۵○	پس اس دن اس کے عذاب جیسا عذاب کوئی نہیں کرے گا (25)

جس دن ایسے حالات پیش آئیں گے اللہ تعالیٰ کافر کو ایسی سزا دے گا کہ اس جیسا عذاب کوئی نہیں دے گا، یعنی: قیامت کے دن خدا کا عذاب نافرمانوں پر ایسا سخت اور ہولناک ہوگا کہ اس کے سوا کوئی ایسی سزا پر قادر نہیں، کیونکہ حساب اور سزا کا مکمل اختیار اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پاس ہے، اور اس کے اقتدار اور تسلط سے کوئی بھی باہر نہیں نکل سکتا۔

وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ؕ ۲۶○	اور نہ اس کے باندھنے جیسا کوئی باندھے گا (26)

اور اس دن کوئی بھی اسے خدا جیسا نہیں باندھ سکے گا اور نہ زنجیروں میں جکڑ سکے گا، جی ہاں مجرم کی سزا ایسی ہی ہے، البتہ پاکیزہ اور مطمئنہ روح کا استقبال کیاجائےگا اور اس کی ایک الگ حیثیت ہوگی ۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ ۲۷○	اے نفس مطمئن! (27)

کہ تو نے اللہ کے ذکر اور عبادت کی روشنی میں سکون پایا، اے وہ انسان جو اللہ کے فیصلے اور تقدیر پر یقین رکھتا تھا، خوشی اور ناخوشی میں، نعمتوں کے ہونے اور نہ ہونے کے وقت ، مالداری اور مفلسی کے وقت تو اطمینان رکھتا تھا، تمہیں کو کوئی شک اور تردید بھی نہیں ہوتا تھا، منحرف نہیں ہوتا، اپنے اوپر اطمینان تھا کہ راستے سے ادھر اُدھر نہیں بھٹکا، تم محفوظ ہو اور قیامت کے دن کی ہولناکی اور ڈر و خوف سے نہیں ڈرو گے۔

یہاں کلام کا خوبصورت اختتام ہے ہمیں یہ سمجھایا گیا ہے کہ: ہم کوشش کریں اس نفس مطمئنہ کو موت سے پہلے بطور ذخیرہ آخرت حاصل کریں، اور ہم یقیناً اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں، ہم اگر چاہیں تو اسی ذہنی سکون اور اطمینان اور مرضیت یعنی پسندیدگی کو پہنچ سکتے ہیں۔

ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۚ ٢٨ ○	اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا، اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی (28)

یہ مطمئن روحوں کو خطاب ہے، وہ روحیں جو ایمان کے ساتھ آخری سکون تک پہنچ چکی ہیں، دنیا میں اپنے کردار وعمل سے اور آخرت میں نعمتوں سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی مستحق ہیں، اپنے رب کی طرف اور اس کے جلال و کرامت کی طرف لوٹ جاؤ، اس فریاد سننے والے رب اور حاکم کی طرف جس کی تم دنیا میں بندگی کرتے تھے۔

جب مؤمن آدمی کے جسم سے روح نکلتی ہے، تو پانی کا ایک قطرہ گرنے جتنا آسان ہوتا ہے، تو فرشتے اسے آرام دہ موت اور سکون والی جگہ کی بشارت دیتے ہیں۔

1 - تمہاری روح تمہاری جسم سے سکون اور راحت کے ساتھ نکل جاتی ہے۔
2 - تیرا ٹھکانا جنت میں ہوگا۔
3 - تو اللہ سے راضی ہے، اور اللہ تجھ سے راضی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں: اس خطاب اور پکار کا ادراک موت کے وقت ہوتا ہے، جب مؤمنین کی موت کا وقت قریب آتاہے کہا جائے گا:

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۙ ٢٩ ○	پس میرے (خاص) بندوں میں شامل ہوجا (29)

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور کامیاب گروہ میں شامل ہو جا، جو کہ ابدی اور لافانی نعمتوں کے ساتھ ہمیشہ رہنے والی جنت میں ہیں۔

وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۧ ٣٠ ○	اور میری جنت میں داخل ہوجا (30)

یعنی نیک اور صالح لوگوں کے ٹھکانے میں داخل ہوجا، (کہ میں نے ان کے لیے تیار کیا ہے)۔

نفس مطمئنہ:

نفس مطمئنہ: وہ مطمئن روح ہے جس کے پاس ہو وہ خدا کی طرف سے تحفظ محسوس کرتا ہے، اور اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتا ہے، وہ اللہ کے پاس لوٹتی ہے اور اس سے ملنے اور اس کے قریب ہونے کی اشتیاق میں رہتی ہے،

ایسی روح ہے، جو اللہ کی بارگاہ میں مطیع اور فرمانبردار عاجزی انکساری والی ہے، دنیا کی فانی زندگی میں متقی اور پرہیزگار ہوتی ہے، فرشتے موت کے وقت ان مطمئن روحوں والوں سے کہتے ہیں: (يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِي فِي عِبَادِي. وَادْخُلِي جَنَّتِي) ترجمہ:"اے سکون پانے والے انسان! (کہ ذکر الہٰی اور عبادت الہٰی کی روشنی میں تم نے سکون پایا ہے، اور اب تم یہاں اطاعت و عبادت کے بڑے ذخیرے کے ساتھ آرام کروگے۔"

اپنے رب کی طرف پلٹ جاؤ، اس حال میں کہ تو(دنیا میں اپنے اعمال سے اور

آخرت میں نعمت سے خوش ہو اور (خدا بھی) تجھ سے راضی ہے، میرے خاص بندوں میں شامل ہوجا (نیک اور بہترین لوگوں کے درمیان رہو) اور میری جنت میں داخل ہوجا، (اور خوش رہو)۔

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ: (اے روح! اللہ عزو جل کے نزدیک، رحمت و ثواب الہٰی کی طرف پلٹ جا، تو اللہ اس سے راضی ہوجائے گا، اور اس روح کو موت کے قریب ہونے کے وقت خوشخبری سنا دی جائے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے ہے اور بہت جلد جنت میں داخل ہوگی، فرشتوں کی یہ بشارت مؤمن انسان کو موت کے قریب ہونے اور قبر سے اٹھنے کے وقت دی جاتی ہے) (تفسیر ابن: ج 1 –ص: 511)

ابن عباس ؓ نفس مطمئنہ کے معنی کےبارے میں فرماتے ہیں

(مطمئنہ یعنی:تصدیق شدہ) حضرت قتادہ (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: (مؤمن وہی ہے کہ اس کی روح اس چیز پر مطمئن ہو جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے ، خدا کے ناموں کی معرفت اور پہچان کے ضمن میں اس روح کا مالک اس بات سے پوری طرح واقف ہوتاہے کہ موت کے بعد اوربرزخ کے واقعات اور ان کے بعدقیامت کی ہولناکی اور خوف کیا ہوتا ہے، گویا وہ ان کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے ، اور خدا تعالیٰ کے فیصلے اور تقدیر کو تسلیم کرتاہے اور اس سے مطمئن ہے اس سے راضی ہے، اور کسی بھی قسم کا شکوہ اور فریاد نہیں کرتا، اپنے ایمان میں کسی شک، تردید اور اضطراب سے دو چار نہیں ہوتا ، کسی چیز کے ہاتھ سے جانے پر نا امید نہیں ہوتا، اور جو کچھ اسے میسر ہوتا ہے اس پر شاد اور مسرور نہیں ہوتا، کیونکہ آنے والی مصیبت اس تک پہنچنے سے پہلے ہی مقدر میں لکھی ہوتی ہے۔

نفس مطمئنہ ایک بیدار نفس ہے، یہ بیداری سبب بن جاتی ہے کہ انسان اپنے

اعمال کے عیوب اور کوتاہیوں کا مشاہدہ کرے، اور اپنے جرائم اور گناہوں سے دست بردار ہوجائے، اوریہ نفس اس کو بہت سارے حقوق اور واجبات پر ترغیب دیتی ہے، اور اس میں عاجزی لاتی ہے، انسان میں تواضع کی صفت اجاگر کرتی ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے نعمتوں کے مشاہدہ کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اپنے گناہوں اور عیوب کے ظاہر ہونے پر شرمندہ کردیتی ہے، انسان اللہ کے سامنے تواضع اختیار کرکے جھک جاتا ہے، اسی طرح زمانے کی قدر و قیمت اور اہمیت کو سمجھ لیتا ہے کہ وہ اس کی خوش نصیبی کا سرمایہ ہے، پس ہر وہ چیز جو اسے اپنے پروردگار کے قریب نہیں کرتی اس سے بیزار ہوکر اسے دور کردیتا ہے۔

اس لیے اس روح کونابود کرنے اور ختم کرنے میں نقصان اورپچھتاواہےاور اس کو ترقی دینے اور بڑھانے میں فائدہ اور خوش نصیبی ہے، اور یہ اس بیداری کا اثر اور نتیجہ ہے، یہ نفس مطمئنہ کی پہلی منزل ہے جہاں سے انسان روزِجزا کی طرف پیشرفت کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتاہے۔

نفس مطمئنہ کی بعض خصوصیات

نفس مطمئنہ کی خصوصیات میں سے ایک خاصیت یہ ہے کہ یہ نفس غفلت سے جگانے والی، خدا کے ہاں گناہوں اور کوتاہیوں سے پاک کرنے والی ہے کہ ہمیں خدا تبارک و تعالیٰ کے ذکر ، کثرت توبہ اور مغفرت طلب کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے پر مطمئن کرتی ہے، اور یہ ہمیں خدا سے ملنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا مشتاق بناتی ہے،جبکہ فرشتے اسے خدا کی خوشنودی کی بشارت دیتے ہیں، علماء اور صلحائے امت اور دانشوروں نے نفس مطمئنہ کی خصوصیات مندرجہ ذیل بیان کی ہیں:

اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی قضا و قدر پر اطمینان

ہمارا عظیم رب نیک اور صالح انسانوں کی صفت اس طرح بیان کرتا ہے:"الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلآئِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُواْ الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ" (پرہیزگار وہی ہیں (موت کے وقت) جب فرشتے (روح قبض کرنے والے) ان کی جانیں نکالنے لگتے ہیں اور یہ (کفر و شرک سے) پاک اور (رب کے ساتھ اپنی کامیاب ملاقات سے)خوش ہوتے ہیں، (تو فرشتے ان سے) کہیں گے: سلامتی ہو تم پر! (اللہ کی حفاظت میں ہو آج کے بعد کبھی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا نہیں ہو گے) (اور کہتے ہیں) جو عمل تم کیا کرتے تھے اس کے بدلے میں جنت میں داخل ہوجاؤ (سورہ نحل:32)

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (لَذَاقَ طَعْمَ اِلاِیمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبّاً وَ بِالاِسلَامِ دِینَاً وَ بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رَسُولاً) ترجمہ: "اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ کے رب، اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر (دل سے) راضی ہوگیا۔"

اور جو شخص اذان سننے پر کہے: (رَضِیتُ بِاللّٰہِ رَبّاً وَ بِالاِسلَامِ دِینَاً وَ بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم رَسُولاً غُفِرَت لَہُ ذُنُوبُہُ) (رواہ مسلم) ترجمہ: "میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہوا تو اس کے گناہ معاف کردئیے جائیں گے۔"

خدا کے فیصلے پر اطمینان کامل مقبولیت کی علامت ہے اور صالحین کی صفات میں سے ایک صفت بھی، خدا تعالیٰ فرماتا ہے: (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهُ) (سورۃ البینہ:8) ترجمہ: "خدا ان سے خوش اور وہ اس سے خوش۔ یہ (صلہ) اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔"

اور جو شخص اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی سے بھر دے اس کی روح کو تکلیف، غم اور پریشانی سے آزاد کردیا جاتا ہے، اور وہ اپنی روح کو اپنی خواہشات اور شیطان کے وسوسوں کو غالب آنے نہیں دیتا، مسلمان کو یقینی طورپر (اللہ کی) رضا، خوشنودی ، آرام اور سکون حاصل ہوتاہے، اس ضمن میں حدیث میں ایک دعا ہے: (اَللّٰھُمَّ اِنِّی أَسْأَلُكَ نَفساً بِكَ مُطمَئِنّةً وَ تُؤمِنُ بِلِقَائِكَ، وَ تَرضیٰ بِقَضَائِكَ وَ تَقنَعُ بِعَطَائِكَ) ترجمہ: " اے پروردگار! میں تجھ سے ایسے نفس کا سوال کرتا ہوں جو تجھ پر بھروسہ اور تجھ سے ملنے پر یقین رکھتا ہو تیرے فیصلے سے مطمئن اور تیری دی گئ نعمت اور عطا پر قناعت رکھتا ہو"

عاجزی اور خوف خدا

ایک متقی مسلمان ہمیشہ گناہوں اور محرمات کے ارتکاب سے ڈر اور خوف کے عالم میں زندگی گزارتا ہے، یہ اس کے ایمان کے مضبوط ہونے کی دلیل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ) (آل عمران: 170) ترجمہ: " پس (چونکہ تم خدا پر یقین رکھتے ہو اس لیے بے خوف اور

بہادر بنو) ان سے مت ڈرنا مجھ ہی سے ڈرتے رہنا"

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کی صفت کچھ یوں بیان کرتا ہے:(إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنۡ خَشۡيَةِ رَبِّهِم مُّشۡفِقُونَ) (سورہ مؤمنون:57) ترجمہ: "جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں"

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنا

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو امید کی صفت اور عادت کا حامل قرار دیتا ہے اور کہتا ہے:(أُوْلَٰٓئِكَ يَرۡجُونَ رَحۡمَتَ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ) (سورہ بقرہ:218) ترجمہ:"وہی خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور خدا بخشنے والا(اور) رحمت کرنے والا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعاہے: (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَأَعُوذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ) ترجمہ: "اے اللہ ! بے شک میں تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ میں آتاہوں اور تیری پکڑ سے تیری معافی کی پناہ میں اور تیرے عذاب سے تیرے ہی پناہ میں آتا ہوں، میں پوری طرح تیری تعریف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، تو ایسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی ثنا بیان کی ہے"

نفس بشری کا خدا کی رحمت سے امید رکھنا یہ ثابت کرتا ہے کہ حقیقت میں نفس انسانی اپنے رب کی ہمیشہ محتاج ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ انسانی نفس خدا کی رحمت، کرم، فضل اور توفیق سے بے نیاز رہے، خدا کی رحمت کی امیدپر گناہ اور نافرمانی جائز نہیں ہے ، البتہ خداکی امید پر سستی اور کاہلی ہوسکتی ہے، جبکہ صحیح اور پسندیدہ امید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید نیک اعمال کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (فَمَن كَانَ يَرۡجُواْ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَداً) (سورہ کہف:110) ترجمہ: " تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اسے چاہئیے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (لَيسَ الإِيمَانُ بِالتَّمَنِّي وَلكِن مَا وَقَرَ بِالقَلبِ وَصَدَّقَهُ العَمَلُ) (متفق علیہ) ترجمہ:" ایمان خواہش

یا من پسند تمناؤں کا نام نہیں، بلکہ ایمان تو ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جو دل میں مضبوطی سے بیٹھ جائے اور بندے کے اعمال اس کی تصدیق کرتے رہیں"

پس اللہ کی رحمت کی امید صحیح عمل کرنے کے سوا اور کسی طرح درست نہیں ہے، توبہ، استغفار کی کثرت اور سیدھے راستے اور حقیقت کی طرف لوٹنا، نفس مطمئنہ والا انسان اپنی غلطیوں اور صغیرہ گناہوں کو بڑا سمجھ کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہے، اس سے بخشش طلب کرکے اس کی پناہ میں آجاتا ہے اور اپنے کیے پر نادم ہوکر معافی مانگتا ہے اور نافرمانیوں کے ارتکاب کی طرف کبھی واپس نہ آنے کا فیصلہ کرتا ہے، اور اطاعت و عبادت میں اضافہ کرکےخدا کی بارگاہ میں اپنا سر جھکا تا ہے، توبہ کرتا ہے اور اس کی پیروی کرتا ہے، خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو استغفار اور توبہ کا حکم دیتا ہے:(وَأَنِ اسْتَغْفِرُواْ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُواْ إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعاً حَسَناً إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى) (سورہ هود:3) ترجمہ: "اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو وہ تم کو ایک وقت مقرر تک متاع نیک سے بہرہ مند کرے گا"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ توبہ سچی، حقیقی اور خالص اس اللہ کے لیے ہونی چاہئیے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحاً عَسَى رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) (سورہ تحریم:8) ترجمہ: "مؤمنو! خدا کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔ امید ہے کہ وہ تم سےتمہارے گناہ دور کردے گا اور تم کو بہشت کے باغوں میں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا۔ اس دن خدا پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا (بلکہ) ان کا نور ایمان ان کے آگے اور داہنی طرف (روشنی کرتا ہوا) چل رہا ہوگا۔ اور وہ خدا سے التجا کرینگے کہ اے پروردگار ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور فرماتا ہے: (إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ) (سورہ بقرہ:222) ترجمہ:"کچھ شک نہیں کہ خدا توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

توبہ بھی خدا کے رسول کی وصیتوں میں سے ہے فرماتے ہیں: (يَا أَيُّهَا النَّاسُ

تُوبُوا إِلَى اللَّهِ فَوَ اللَّهِ إِنِّي لأَتُوبُ فِي الْيَوْمِ إِلَيْهِ أَكْثَرَ مِن سَبعِينَ مَرَّةٍ) (رواه مسلم و بخاری) ترجمہ: "اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرلو، اللہ کی قسم میں دن میں ستر بار اللہ کی طرف توبہ کرتا ہوں"

اور نیز فرماتے ہیں: (لَلَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ فِي أَرْضٍ دَوِّيَّةٍ مُهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَنَامَ فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ فَطَلَبَهَا حَتَّى أَدْرَكَهُ الْعَطَشُ ثُمَّ قَالَ أَرْجِعُ إِلَى مَكَانِيَ الَّذِى كُنْتُ فِيهِ فَأَنَامُ حَتَّى أَمُوتَ فَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى سَاعِدِهِ لِيَمُوتَ فَاسْتَيْقَظَ وَعِنْدَهُ رَاحِلَتُهُ وَعَلَيْهَا زَادُهُ وَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَاللَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هَذَا بِرَاحِلَتِهِ) (رواه البخاري و مسلم) ترجمہ:یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو مہلک ویرانے میں ہو، اس کے ساتھ اس کی سواری ہو جس پر اس کے کھانے، پینے کی چیزیں ہوں اور پھر وہ سوجائے، بیدار ہوکر دیکھے تو اس کی سواری غائب ہو، پھر اسے تلاش کرتے کرتے پیاس لگ جائے۔ آخر کار (دل میں) کہے کہ اس جگہ جاکر سوجاتا ہوں حتی کہ میری موت واقع ہوجائے۔ پھر وہ مرنے کے لیے کلائی پر سر رکھ کر لیٹ جائے جب بیدار ہوتا ہے تو اچانک دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے سامنے موجود ہے جس پر اس کا زادِ راہ، طعام و مشروب لدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بڑھ کر خوش ہوتا ہے جو (گم ہونے کے بعد) اپنی سواری کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

انسانی روح کی اقسام

خدا تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ نفس تین قسم کی ہے:

1- نفس امّارہ بالسوء
2- نفس لوّامہ
3- نفس مطمئنہ

(إِنَّ النَّفْسَ لأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّي) (سورہ یوسف:53) ترجمہ:"کیونکہ نفس (سرکش فطرتاً خواہشات کی طرف راغب کرتا ہے، اور برائیوں کو مزین کردیتا ہے اور لوگوں کو) برائیوں کی طرف بلاتا ہے مگر وہ آدمی جس پر میرا رب رحم فرمائے (اور اسے اپنے حمایت کے پہلو میں محفوظ و مامون رکھے) "

(وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ) (سورۃ القیامہ:2) ترجمہ: "قسم ہے ملامت کرنے والے

نفس کی"

کہ مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے، اور قیامت حق ہے، (ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۔ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۔ وَادْخُلِي جَنَّتِي) (الفجر: 28 – 30) ترجمہ:"اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ، اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ہے پس میرے (خاص) بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا"

البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر انسان کے بیک وقت تین نفس ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں صفات اور حالات ممکن ہے شرائط کے اعتبار سے کسی کے ساتھ وابستہ ہوجائیں، مثال کے طور پر جب بھی نفس کی خواہشات انسان پر غالب آجائیں اور نفس گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو نفس امارہ بن جاتا ہے، اگر گناہ کے بعد توبہ کرلے اور پشیمان ہوجائے تو نفس لوَّامہ بن جاتا ہے کیونکہ انسان کو گناہ کے انجام پر ملامت کرتا ہے، اور گناہوں کے ارتکاب اور نیک اعمال کے بارے میں شک کرتا ہے۔

لیکن نفس مطمئنہ اس صورت میں ہے کہ خیر کی محبت، نیکیوں کی طرف میلان، شر اور برائیوں سے دوری کا بدیہی ملکہ اور اچھے اخلاق میں بدل گیا ہو۔

شرح عقیدہ طحاویہ کے شارح نفوس کی انواع و اقسام بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: در حقیقت یہ نفوس ایک انسان کے لیے پیش آتے ہیں، یعنی انسانی نفس کے تین حالات ہیں، پہلے تو انسان کو گناہ انجام دینے کا حکم دیتا ہے نفس امارہ بن جاتا ہے پھر اگر ایمان آجائے تو نفس لوَّامہ بن جاتا ہے، اور گناہ کرنے کے بعد انسان کو سزا دیتا ہے اور سرزنش کرتا ہے، اگر ایمان مضبوط ہوجائے تو نفس مطمئنہ میں تبدیل ہوجاتاہے۔ (شرح طحاویہ:445)

کیا نفس مرتا ہے؟

ابن تیمیہ فرماتے ہیں: بغیر کسی تردید کے ارواح مخلوق ہیں، ان پر بھی عدم اور فنا آتے ہیں، لیکن ان کی موت جسم سے جدا ہونے کی صورت میں ہے، دوسری صور پھونکنے سے ارواح جسموں میں واپس آجائیں گی۔(مجموع فتاوی:4/٢٧٩)

شرح طحاویہ کے شارح اس مسئلے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: روح مرتی ہے یا نہیں اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے، ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ارواح مرتی ہیں، کیونکہ وہ نفوس ہیں، اور ہر نفس کو ضرور مرنا ہے

اگر فرشتے موت سے نجات نہ پاتے، تو روح کوبھی ہر گز نجات نہیں ملے گی، دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ارواح نہیں مریں گی، کیونکہ روحیں ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا ہوئی ہیں، جبکہ جسم اور بدن موت اور نابود ہونے کے لیےہیں، اس اصول کی بنا پر کہتے ہیں: وہ احادیث جو ارواح کو انعام دینے یا عذاب دینے پر دلالت کرتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں ختم نہیں ہوتیں، اس بارے میں صحیح نظریہ یہ ہے کہ: روحوں اور نفوس کا مرنا، یعنی جسم سے ان کا الگ ہوجانا، اگر ارواح اور نفوس کے مرنے سے مراد صرف یہی ہے جسم سے جدا ہونا ہو تو یہ موت کا ذائقہ چھکیں گی، اور "کل نفس ذائقة الموت" ان کے بارے میں محقق ہے، لیکن اگر ارواح کے مرنے سے ان کا فنا یا معدوم ہونا مراد ہو کلی طور پر تو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ روح کو جنت یا جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے، نعمت یا عذاب سے متاثر ہوگی جیسا کہ رب تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: (لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡہَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَۃَ الۡاُوۡلٰی ۚ○۔ وَوَقٰىهُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ۙ○۵۶) (سوره الدخان:56) ترجمہ: "(اور) پہلی دفعہ کے مرنے کے سوا (کہ مرچکے تھے) موت کا مزہ نہیں چھکیں گے۔ اور خدا ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے گا"

اس موت سے مراد وہی روح کی مفارقت اور الگ ہونا جسم یا بدن سے ہے، (شرح طحاویہ:446)

نفس اور شیطان میں کیا فرق ہے؟

ہم کیسے جان لیں کہ ہمیں گناہوں پر نفس آمادہ کرتا ہے یا شیطان؟

انسانی نفس تین قسموں پر مشتمل ہے:

1 - نفس اماره بالسوء؛ کہ اسے بُرائی کا حکم دیتا ہے اور الله تعالیٰ کے راستے اور بھلائی سے دور کرتا ہے، گناہ اور معصیت میں مبتلا کرتا ہے۔
2 - نفس لوّامہ؛ جب بھی کوئی انسان کوئی غلط کام کرنا چاہتا ہے، یا گناہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، تو ملامت کرنے والی روح یا نفس اس کو ملامت کرتی ہے تاکہ وہ پلٹ جائے اور توبہ کرے اور درست سمت کی طرف قدم اٹھا لے۔
3 - نفس مطمئنہ؛ کہ نفس لوامہ سے اوپر ہے، اور یہ انسان کو سکون کی حالت میں لے آتا ہے اس طرح کہ وہ ایمان اور عبادت کی مٹھاس کو سمجھتا اور لطف اندوز ہوتا ہے، جب بھی گناہ کی سوچ یا اس کو انجام دینے کا اراده

ہونے لگتا تو نفس لوامہ اس کو سرزنش اور تنبیہ کرے گا تاکہ وہ کام نہ کرے، پس وہ رو کر اور پشیمان ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا، اور حق تعالیٰ سے بخشش طلب کرے گا۔

خلاصہ اس شخص کی کوئی نیکی نہیں جو ہمیشہ تا آخر وقت نفس امارہ کے تابع ہو، جب اس کے پاس پلٹنے اور پشیمان ہونے کا موقع ہی نہیں رہے اور یہ واضح نقصان ہے۔

انسانی طبیعت کسی پابندی کو قبول نہیں کرتی، اس کا نفس چاہتا ہے کہ تمام پابندیوں سے آزاد رہے، (وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ○ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ○ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۵۳○) (سورہ یوسف:53) ترجمہ:"اور میں اپنی تیئں پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس امارہ (انسان) کو برائی ہی سکھاتا رہتا ہے۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔"

یہ نفس اپنے مالک کو جو کچھ اس کا دل چاہتا ہے حکم دیتا ہے اور اسے گناہ اور معصیت کی طرف لے جاتا ہے اور بندگی کے راستے سے ہٹاتا ہے، اس کے لیے گناہ اور معصیت کے تمام اسباب حیرت انگیز اور دلچسپ ہیں، اور اس کے دل میں فسق و فجور کی قوتیں بڑھ رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور و فکر کریں:"لَأَمَّارَةٌۢ بِالسُّوء" مبالغہ کے ساتھ کہا گیا ہے۔

خدا نے نہیں فرمایا: "آمرةبالسوء" یہ نفس کی برائیوں پر کثرت حکم کی وجہ سے ہے، نفس امارہ بہت زیادہ برائیوں کی ترغیب دیتا ہے اور اکثر دیتا ہے، بُرے کاموں کو انجام دینے کے لیے، اس نفس کی نہ تھکنے والی خصلت کی وجہ سے ہے، جب تک کہ اس کا مالک اس ٹوٹی ہوئی لگام کو مضبوطی سے پکڑےنہ رکھے، لیکن جو نفس برائیوں اور گناہوں کا حکم دیتا ہے وہ شیطان سے الگ ہے شیطان انسان کا ساتھی ہے جو اسے گناہ کی دعوت دیتا ہے، لیکن برائی کا حکم دینا انسانی نفس کا شیوہ ہے، کیونکہ نفس خواہشات کی طرف مائل ہوتا ہے اور خواہشات کا اس پر طبعی اثر ہوتا ہے، اور اس کے رحجان کو اس سے روکنا مشکل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کیا کہتے ہیں اس دوست کے بارے میں جو آپ کے ساتھ ہے، وہ دوست کہ اگر آپ اس کی تعظیم کرتے ہیں ، اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی پردہ پوشی کرتے ہیں تو آپ کو بدترین انجام کی طرف لے جائے گا اور اگر تم اسے تابع کرو

گے اور اسے پیاسا اور بھوکا رکھو گے تو وہ تمہیں بہترین انجام کی طرف لے جائے گا؟

صحابہ ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا دوست زمین کا سب سے بُرا دوست ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اس خدا کی قسم جس کے اختیار میں میری جان ہے، یہ دوست تمہاری جان ہے جو تمہارے اطراف میں ہے، (انوارالفرقان)

تاہم اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انسان کا برائیوں کی طرف میلان شیطان کی طرف سے ہے یا نفس امارہ کی وجہ سے، اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور دوسروں کی خواہشات کے آگے نہ جھکے۔

لیکن رمضان کے مہینے میں شیاطین جو زنجیروں میں جھکڑے ہوتے ہیں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو چیز اس مہینے میں لوگوں سے گناہ کروانے کا باعث بنتی ہے وہ وہی نفس امارہ ہے، حقیقت میں نفس امارہ بالسوء ہر انسان کے اندر ایک خواہش اور رحجان ہے جو بُری چیزوں کو پسند کرتی ہے، اور شیطان اس نفس کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرتا ہے، اور انسانوں میں ان صلاحیتوں کو ابھارتا اور پرورش دیتا ہے تاکہ وہ انسانوں کو آسانی سے اپنے جال میں پھنسا سکے۔

صدق الله العظيم وصدق رسوله الكريم

Get more e-books from www.ketabton.com